ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

نیلوفر اقبال کے افسانوی مجموعے "سرُخ دھبے" کا تجزیاتی مطالعہ

AN ANALYTICAL STUDY OF NILUFAR IQBAL'S SHORT STORY COLLECTION "SORKH DHABBAY"

***ڈاکٹر عظمیٰ نور**

راولپنڈی

****ارباب خان**

ریسرچ سکالر پی ایچ ڈی شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

*****صدیق**

شعبہ اردو یونیورسٹی آف صوابی

ABSTRACT

Nilufar Iqbal's fictions reflect the trend of realism. He has a strong story and along with the story, there is also a legendary insight. According to him, story-telling and characterization are the most important fictional elements. His fictions are also a link of traditional Urdu fiction writing and at the same time he has written fictions on modern social and psychological topics. In some of his fictions, dialectical struggle is also seen at the peak. While writing progressive fictions, he did not sacrifice his art for this ideology, but in such fictions we feel the best combination of art and ideology She also has the balanced style required to tell a story and uses this style artistically.

Key Words: *Nilufar Iqbal's Short Stories , "Sorkh Dhabbay" , traditional Urdu fiction , psychological topics , legendary insight*

یہ کتاب 2012ء میں دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے اپنی افسانہ نگاری کی ایک صفت کا اعتراف کیا ہے اور وہ خوبی ان کی افسانہ نگاری میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ کہتی ہیں:

> "ابھی تک مجھے اپنی افسانہ نگاری کے بارے میں جو سننے کو ملا ہے۔ اس میں خاص کر یہ کہا گیا کہ میں پیچیدہ موضوعات کو آسانی سے سنبھال لیتی ہوں۔ یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے۔"(1)

"مساوات" افسانہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہے۔ اس افسانے کی کہانی کچھ یوں کہ ڈاکٹر عبدالستار کی بیٹی مریم امریکہ کے شہر لوٹس میں مقیم ہے اور وہاں سے اپنے والد کو خط لکھتی ہے کہ اسے ایک لڑکے ایرک جانسن سے محبت ہو گئی ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ ڈاکٹر عبدالستار نے بیٹی کو ڈاکٹر ایرک سے شادی کی اجازت دے دی اگرچہ مریم کی ماں نے کئی بار اس فیصلے کی مخالفت بھی کی تاہم وہاں مریم کی شادی ہو جاتی ہے اور یہاں ان کو خبر مل جاتی ہے ماں باپ خوش ہیں کہ بیٹی اور داماد آرام سے ہیں ایک دن ڈاکٹر عبدالستار کو دل کی تکلیف ہوتی ہے جس کا سن کر مریم پاکستان آنے کا ارادہ کرتی ہے اور وہ دن بھی آ ہی جاتا ہے جب وہ دونوں میاں بیوی پاکستان پہنچتے ہیں۔ ادھر ڈاکٹر عبدالستار اور ان کا خاندان دوسرے رشتہ داروں کو مرعوب کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں اور ادھر داماد دیکھ کر خود چکرا جاتے ہیں۔ "مریم" اور اس کے امریکی خاوند کے آنے کا منظر نامہ مصنفہ نے یوں بیان کرتی ہیں:

> "مریم نے انھیں دیکھ لیا اور جلدی سے نکلنے والے رستے سے گزر کر ان کی طرف لپکی..... لیکن وہ تنہا تھی۔ اس کے ساتھ کوئی امریکی مرد نہ تھا..... سب نے انتہا ہی سے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن کوئی غیر ملکی نظر نہیں آیا۔ مریم کو پیار سے لپٹ گئے۔
>
> کیا ایرک (Eric) ساتھ نہیں آیا.....؟ ڈاکٹر عبدالستار نے پوچھا"

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"آیا ہے۔ایرک دس وے.....! اس نے بازو لہرا کر سامان کی گاڑی دھکیلتے ہوئے لمبے تڑنگے حبشی کو اشارہ کیا..... گورے امریکن کی متلاشی نگاہوں نے مریم کے عقب میں آتے ہوئے سیاہ فام مرد کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

یہ ایرک ہے بابا.....ایرک! دس از پاپا اینڈ دس ایز مم۔"(2)

ایرک کو دیکھنے کے بعد مریم کے گھر والے بہت پریشان ہوتے ہیں اور کئی طرح کے خدشات ان کو گھیر لیتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالستار کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس نے فیصلہ غلط کیا تھا بیٹی کو آزادی دینے والا۔

افسانہ کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان صرف اتنی مساوات کو قبول کر سکتا ہے جتنی میں ذاتی فائدہ نظر آرہا ہو یا اگر فائدہ نہیں تو کم از کم اس کا کسی بھی طرح کا نقصان نہ ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے لوگ خود کو لبرل کے طور پر پیش تو کر دیتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔نیز ہم چاہیں بھی تو گورے اور کالے کی نسلی تقسیم سے معاشرہ ماورا نہیں ہونے دیتا۔یہ مریم کے والدین کا المیہ ہے۔

"بقا" افسانے کا ترتیب میں دوسرا(2) نمبر ہے۔اس افسانے میں ایک ایسے خاندان کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے بزرگوں کو بھی مناسب وقت نہیں دے سکتا حتیٰ کہ بزرگوں کی بیماری میں بھی وہ اپنے نوکروں پر زیادہ تر انحصار کرتے ہیں۔

تصدق، انیلا کا نوکر انیلا کے والد کو چھوڑ کر کچھ دنوں کے لیے اپنے والد کی بیماری کی وجہ سے اپنے گھر چلا جاتا ہے تو انیلا کو اپنے والد کی دیکھ بھال کے لیے ایک رات ہسپتال رکنا پڑتا ہے۔اس کی جان پر بن آتی ہے۔اس کو یاد آتا ہے کہ اس کے کرنے والے کئی کام ہیں:

"انیلا کا اگلے دن لاہور جانا بہت ضروری تھا۔پنکی کے نرسری میں داخلے کا آخری دن تھا۔اس کا شوہر خالد اسے لاہور سے فوراً واپس آنے کا کہہ رہا تھا۔"(3)

اس افسانے میں مادیت پرست لوگوں کا احوال بھی بتایا گیا ہے اور ان کی روزمرہ زندگی پر طنز بھی کی گیا ہے۔کسی بھی خاندان کے فرد کی جان سے زیادہ وہ غیر اہم کاموں کو اہم سمجھتے ہیں۔تصدق غریب اور نوکر ہو کر امیروں اور جاگیرداروں کی بقا کی علامت بن جاتا ہے۔ایک اور بات افسانے میں یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ہم مغربی معاشروں پر طنز کرتے ہیں کہ وہاں بزرگوں کو گھروں سے نکال دیا جاتا ہے۔تو سوال یہ ہے کہ کیا مشرقی معاشرے میں ایسا نہیں ہو رہا۔

"کرسٹل ہاؤس" افسانہ انسانی زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا زبردست بیانیہ ہے۔اسلام آباد کے ایک محلے میں کرسٹل ہاؤس میں رہائش پذیر امیر جوڑا اور ان کا طرزِ زندگی باقی محلے داروں کے لیے خاصا مرعوب کن ہوتا ہے۔لیکن جب اس گھر کا مالک مر جاتا ہے اور ان کو گھر کا سارا سامان حتیٰ کہ وہ چیزیں جو ان کی دل چسپی کا باعث تھیں اور بہت قیمتی بھی وہ بھی اونے پونے فروخت کرنی پڑتی ہیں تو منظر نامہ یکسر بدل جاتا ہے۔وہ لوگ اپنی ماں کو اپنے ساتھ ہی امریکہ لے جانا چاہتے ہیں۔جب ایک ایک کر کے گھر کی سب قیمتی چیزیں بک جاتی ہیں تو گھر کی فروخت کا منظر مصنفہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

"چند روز بعد کوٹھی پر پینٹ پالش کرنے والے کام کرتے دکھائی دے رہے تھے جن کی نگرانی سرخ چہرے والا ٹھیکیدار قسم کا آدمی کر رہا تھا۔پھر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ کرسٹل ہاؤس کے سامنے کی تختی لٹک رہی تھی۔۔۔یہ تھی کرسٹل ہاؤس کی کہانی۔"(4)

اس افسانے میں ایک گھر کو علامت بنا کر اس کائنات کی داستان کا پورا فلسفہ بیان کر دیا ہے۔اس کائنات کی ہر چیز فانی ہے۔

"دھند" افسانہ صیغہ واحد متکلم کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔اس افسانے کا بیان کنندہ بتاتا ہے کہ وہ تین بھائی تھے انھوں نے ماں کی تیمار داری کے لیے اوقات بانٹ لیے تھے ایک بھائی کو صبح کو ڈیوٹی دیتا ایک دوپہر کے وقت اور ایک کو رات کو دیکھ بھال کرنا۔اس افسانے کے راوی نے مریض سے بیزاری کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ بہت بڑی سماجی اور نفسیاتی حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔وہ لوگ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق اپنی ماں کو بہت ساری گولیاں دیتے تھے۔مثلاً دماغ کو آکسیجن دینے والی جس سے یادداشت دھندلی نہیں ہوتی ہے۔خواب آور اور طاقت آور دوائیں وغیرہ بھی دینا لازمی تھیں۔ان کا ایک بھائی جوانی میں ہی فوت ہو جاتا ہے۔جس کی وجہ سے ان کی ماں کی یہ حالت ہوتی ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ماں کو اور سب کچھ یاد رہے سوائے ان کے بھائی کی وفات کے آخر ایک دن جب باقی رشتے داروں کا نام لیا جاتا ہے تو اس کی ماں کو اپنا بیٹا بھی یاد آجاتا بعض چیزیں جن کو ہم دُھند اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں وہ دھند سے نکل کر ہماری یاد کی روشنی میں آجاتی ہیں جو کہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے اس افسانے کو نفسیاتی تھیوری، لاشعور کے نظریے کے حوالے سے بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اس طرح "ماں جی" کے تحت الشعور سے اس کے بیٹے کی یاد شعور میں آجاتی ہے۔

"فتح" افسانے کی کہانی مسٹر عبدالمنان کے گرد گھومتی ہے جو کہ اپنے کام سے کام رکھنے والے آدمی ہے اور خوشامدی نہ ہونے کی وجہ سے جلد ترقی نہیں کر سکتا۔ مسٹر عبدالمنان کی بیوی الماس نے اچھی پڑوسن ہونے کے ناتے تمام محلے داروں سے اچھے تعلق نبھانے کی کوشش کی مگر ان کے ہمسایوں میں سے ایک گھر کا رویہ ان کے ساتھ بہت اچھا نہ تھا کیوں کہ عبدالمنان کے ہمسائے خود کو ان سے سماجی حوالے سے بہتر سمجھتے تھے۔ حالاں کہ عبدالمنان اور ان کی بیوی کو اس بات کا احساس تھا کہ سماجی حوالے سے وہ ان سے کمزور ہیں لیکن ایک بات جو عبدالمنان کے فخر کا باعث تھی وہ یہ تھی کہ اس کے ہمسائے کی بیوی عبدالمنان کی بیوی سے زیادہ خوب صورت نہیں تھی۔ اس بات پر دونوں میاں بیوی کی نفسیاتی تسکین ہو جاتی ہے اور وہ ایک طرح کا احساس تفاخر محسوس کرتے ہیں۔ قدرت کسی کو دولت اور کسی کو حسن دے دیتی ہے یہ اس کی اپنی تقسیم ہے۔

افسانہ درج ذیل الفاظ پر ختم ہوتا ہے:

> "ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا معلوم ہے اس دن اس کی بیوی کو دیکھا تھا۔ اتنی موٹی..... تمہارے تو پیر کے برابر بھی نہیں..... بیچارا بیوی خوش ہو کر ہنس پڑی مسٹر عبدالمنان مزے لے کر چائے کی چسکیاں لینے لگے۔"(5)

اس افسانے میں بین السطور معاشرے کے دونوں طبقات یعنی امیر اور غریب طبقے کی نفسیاتی چپقلش کو نہایت ہی فن کارانہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

"عورت" افسانہ اپنے عنوان کی مناسبت سے ہی معنی و مفہوم واضح کرتا ہے۔ یہ افسانہ عورت کی نفسیات کے بارے میں ہے جو واضح طور پر اس پہلو کے حوالے سے ہے جو کہ عورت کا مرد پر احساس ملکیت ہے۔ ریحانہ اور مسعود کی پسند کی شادی ہوتی ہے۔ ریحانہ معمولی خدوخال والی لڑکی ہے جب کہ مسعود خوب صورت جوان ہے ریحانہ جو کہ مسعود کی روزمرہ روٹین سے تنگ ہے اور اس کو گھر بدلنے کا مشورہ دیتی ہے اس محلے میں مسعود کے بہت سارے دوست ہوتے ہیں جو اس کی عادت بگاڑ رہے ہیں۔ ریحانہ کے کہنے پر مسعود محلہ تبدیل کر لیتا ہے لیکن اس محلے میں مرزا راحیل ریحانہ کے لیے دردِ سر بن جاتا ہے۔ راحیل پیانو اچھا بجا سکتی ہے جب کہ مسعود کو بھی پیانو بجانے کا شوق ہے۔ وہ اپنے شوہر کو پھر پرانے محلے میں جا کر رہنے کا مشورہ دیتی ہے اور وہی دلائل دیتی ہے۔ جو مجوزہ محلہ چھوڑنے کے دیے تھے۔ افسانے کے آخری میں وہ کہتی ہے:

> "کیا ضرورت ہے اتنے مہنگے فور بیڈ روم ہاؤس میں رہنے کے This is not feasible۔۔۔ کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔۔۔ سیونگ کی سیونگ۔۔۔"(6)

عورت مرد کے حوالے سے احساس ملکیت کا بہت خیال رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں جب عورت کو ادراک ہو کہ میرا شوہر مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے یہ احساس مزید قوی ہو جاتا ہے۔ بات صرف عورت کے احساس ملکیت تک ہی نہیں رہتی اس میں بعض دوسرے حقائق بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

"مسلمان" افسانہ ایک عیسائی اور تین مسلمان مردوں کا قصہ ہے۔ عیسائی کا نام جارج ہے وہ قرض کی واپسی کے حوالے سے مسلمان کو جواب دے جاتا ہے۔ مسلمان اس کی شکایت پادری اینڈریوز سے کرتے ہیں۔ پادری اینڈریوز اس سے کوئی بات کہتا ہے جس سے اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اور وہ وعدے کے مطابق قرض واپس بھی کر جاتا ہے۔ اس پر مسلمان کو بہت حیرت ہوتی ہے کہ وہ بندہ جو قرض کی واپسی کے معاملے میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔ اس نے اتنی سہولت سے کیسے قرض واپس کر دیا۔ اس نے جارج سے وجہ دریافت کی تو جارج نے کہا کہ کچھ نہیں مسلمان پادری اینڈریوز کے پاس گئے کہ اس سے پوچھا کہ اس کے کونسے الفاظ کہے تھے جن کی تاثیر سے اس کی کایا کلپ ہو گئی اور اس نے قرضہ واپس کر دیا اس پر پادری اینڈریوز نے کہا:

> "میں نے اس سے صرف اتنا کہا تھا: کہیں تم تو مسلمان تو نہیں ہو گیا۔"(7)

عام سماجی زندگی میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مذہب کا ہیرو دوسرے کا اینٹی ہیرو ہے۔ یہی مقابلہ اس افسانے میں بھی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانیت ایک مقدس بات ہے جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لیے یہ گالی سے بڑھ کر ہے۔ نیز مسلمانوں کی بدعات ان کی خراب شہرت کا سبب بھی بن گئی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"میرا دوست مجاہد" اس افسانے میں اُسلوب کے حوالے سے بہت بہاؤ ہے۔ کہانی ہلکے پھلکے انداز سے آگے بڑھتی جاتی ہے۔ دو کرداروں کی بے تکلف دوستی کا تعلق ختم ہو جانا کہانی کا موضوع ہے۔ راوی کا دوست مجاہد فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے۔ اس کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہید ہو گیا ہے۔ بعد میں ایک دن اچانک وہ مجاہد دوست جس کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ اس کی شہادت ہو گئی ہے اچانک اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ جس پر راوی اس کو یہ کہہ کر ٹالنے کے کوشش کرتا ہے کہ مجھے تمہارے گھر والوں میں سے کسی کے ساتھ بھی شناسائی نہ تھی لیکن راوی کا مجاہد دوست اس دلیل کو نہیں مانتا راوی کا مجاہد دوست اپنے دوست کی اس حرکت پر دل گرفتہ ہوتا ہے، اس کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ان کی دوستی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں انسان کے دوسرے انسان سے سطحی اور خلوص سے عاری تعلقات کا فن کارانہ ذکر کیا گیا ہے۔

"دلیپ کمار" بھی کرداری افسانہ ہے۔ اس افسانے کے مرکزی کردار مولا داد عرف دلیپ کمار کے کردار کے ذریعے نیلوفر اقبال نے ایک ایسے آدمی کو بطورِ علامت چنا ہے جو اگرچہ مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور راوی کے گھر نوکری کرتا ہے مگر جو بہت وسیع النظر ہے۔ مولا داد کا نام راوی نے دلیپ کمار اس وجہ سے رکھا کہ وہ دلیپ کمار کی فلمیں دیکھنے اور اس طرح کے مکالمے ادا کرنے میں ماہر تھا۔ راوی کے گھر والوں نے دلیپ کو گھڑی چوری کے جرم میں گھر سے نکال باہر کیا راوی کے مطابق وہ گھڑی گھر ہی سے بعد میں مل بھی گئی لیکن مالکان کی اتنی اخلاقی جرات نہ ہوئی کہ اس سے معذرت کرتے اور اسے بتاتے کہ گھڑی گھر سے مل گئی تھی۔ حتیٰ کہ راوی خود بھی یہ جرات نہ کر سکا۔ یہ نہیں کہ بعد میں ان کی ملاقات نہ ہو سکی بلکہ اس لیے کہ بقول راوی کے اس نے اس کو بتانا مناسب ہی نہ سمجھا دوسرا نکتہ افسانے میں یہ سامنے آتا ہے کہ وہ انسانی ذہن کی بنتی بگڑتی ساخت کے حوالے سے ہے یہ آدمی خواہ اس کا تعلق کسی ہی پیشے سے کیوں نہ ہو ایک بار ذہنی طور پر اس پر عروج آتا ہے۔ وقت کی تیز دھار اس کی کھلنڈری زندگی کو کاٹ دیتی ہے اور بعد میں صرف سنجیدہ زندگی اور معاشی مسائل کو ہمارا یہ کام شاید یہی ہے کہ منہ کھولے نظر آتے ہیں۔

"بستہ" افسانہ مصنفہ کے خارجی مشاہدے کی بنیاد پر قائم ہے اس افسانے میں کوئی گہرا فلسفہ فن کارانہ پیچیدگی نہیں ہے۔ یہ افسانہ روایتی طالب علم اور ہمارے معاشرے کے روایتی والدین میں سکول نہ جانے پر چپقلش کا ایک بیانیہ ہے۔ جو چیز نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ اس میں مشاہدے کی طاقت ہے۔ اُسلوب بھی رواں دواں ہے۔ جذباتیت کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ اس افسانے میں ایک ایسے بچے کی نفسیات کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے جو سکول جانے سے کتراتا ہے۔ بلو اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ بلو کو اس کا بستہ کھانے کو دوڑتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس پر پڑھائی کی روٹین کا بہت زیادہ بوجھ ہے۔ صبح سکول سہ پہر کو مولوی صاحب سے قرآن پڑھنا، پھر سکول کا کام کرنا اور پھر ٹیوشن۔ اس کے ننھے دماغ کے مطابق اس کے والدین اس کے دشمن ہیں اور دوسرے بچے جو آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں اور اپنی مرضی سے کھیل سکتے ہیں وہ انھیں حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔ ایک روز وہ پکا ارادہ کر لیتا ہے کہ کل کسی بھی صورت سکول نہیں جانا۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ کیوں نہ بستہ ہی کہیں گم کر دوں نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ ایسا کرنے میں وہ کام یاب بھی ہو جاتا ہے لیکن اگلے دن جب سکول کا ٹائم ہوتا ہے اور اس کے لیے بستے کی تلاش شروع ہوتی ہے۔ تو اس کی ماں اس سے سب کچھ اگلوا لیتی ہے۔

اس منظر کو افسانہ نگار نے یوں بیان کیا ہے:

> "نکالتے ہو یا نکالوں چمٹا گرم کر کے" ماں نے چمٹا لہرایا آخر کار مزاحمت جواب دے گئی اور وہ ماں کو لیے خالی پلاٹ کی طرف چل پڑا۔ گڑھے کے پاس پہنچا اور آہستہ آہستہ چلتے اور سفر مٹا کر بستے کو نکالنے لگا جیسے مرا ہوا سانپ نکال رہا ہو۔"(8)

اس افسانے میں لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر ہمارا نظامِ تعلیم دل چسپ ہو تو بچوں کو تعلیم بوجھ نہ لگے۔ تعلیم سے بھاگنے میں قصور ہمارے طالب علموں کا بھی نہیں ہمارا تعلیمی نظام ہی خشک اور جامد ہے۔ اس نظام میں ابتدائی جماعتوں کے طالب علموں کے لیے سوائے اُستادوں کی غراہٹ اور ڈنڈوں کی بوچھاڑ کے اور کیا ہے یہی وجہ ہے کہ بچے اُستاد کو اور بستے کو اپنا ازلی وابدی دُشمن سمجھتے ہیں۔

"چوہا" ایک علامتی افسانہ ہے جس میں معاشرے کے تمام محبوب کردار شامل ہیں۔ چوہے کو کاہل اور مجہول لوگوں کی علامت کے طور پر لایا گیا ہے۔ اس افسانے میں ایسے آدمی کا تذکرہ ہے جو ہر کام میں سستی اور کام چوری کا مظاہرہ کرتا ہے اس کا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہتا حتیٰ کہ اس کی نوکری چلی جاتی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ہے وہ اس پر بھی اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں سمٹا سمٹایا رہتا ایک کوٹھری میں پڑا رہتا ہے اور باسی روٹی یا ڈبل روٹی کا پرانا ٹکڑا کھا کر گزارا کر لیتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور اسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

"آزادی" افسانے میں کوئی ٹھوس کردار نہیں ہیں۔ یہ ایک علامتی کہانی بھی ہے۔ یہ افسانہ بھی اگرچہ بیانیہ تکنیک میں لکھا گیا ہے مگر راوی اپنی ٹھوس اور مخصوص شناخت کرانے سے قاصر ہے۔ راوی اپنی قید کی زندگی کے بارے میں تفصیل سے بتاتا ہے۔

قید میں وہ لوگ کنویں کے مینڈک بنے ہوئے تھے اور قید خانے سے باہر گزرنے والی چیز کو یاس و حسرت سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے لیے آزاد پھرنے والے پرندے اور جانور بھی مثالیت کا درجہ رکھتے تھے۔ ان قیدیوں کو قید سے نکلنا نصیب نہ ہوا حتیٰ کہ ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اگر کوئی قید کے اندر رہے اور جونہی باہر آئے تو اس کو موت کا ظالم ہاتھ دبوچ لے تو اس صورت میں یہ سوال تو بیدار ہوتا ہے کہ قید خانے کی قید والی زندگی محفوظ تھی یا قید خانے کے باہر والی زندگی جو بظاہر ہے تو آزادی لیکن جبری قید کی ایک الگ اور انوکھی ہی شکل ہے۔

وہ خود لکھتی ہیں:

> "مثال کے طور پر میری ایک کہانی ہے "آزادی" آپ گاڑی میں جا رہے ہوں اور آپ کے آگے آگے مرغیوں سے لدی سوزوکی جا رہی ہو اور دفعتاً آپ کے ذہن میں خیال آئے کہ یہ مخلوق پہلی دفعہ قید سے نکلی ہے اور سیدھی سفر آخرت پر رواں ہے۔ کہنے کو آسان بات ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سات سال تک مجھ سے اس پر ہاتھ نہ ڈالا گیا۔"(9)

اس افسانے کو پڑھ کر انیس ناگی کا ناول محاصرہ یاد آجاتا ہے۔ وہی گھٹی گھٹی سی فضا پژمردہ سی لپٹی اور ٹھہراؤ والا وقت کرداروں کی عدم شناخت اور ٹھوس کہانی کا ناپید ہونا عناصر مل کر محاصرہ ناول جیسی فضا تشکیل دیتے ہیں۔

"برف" کی طرح ان کا ایک افسانہ آزادی بھی علامتی پس منظر میں معنی و مفاہیم اخذ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ "آزادی" افسانہ دراصل ایک فارمی مرغیوں کی کہانی ہے جو قید میں پیدا ہوتی ہیں اور قید سے نکلتے ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی ہیں۔

قید خانے سے باہر کے سنہری اور خوب صورت دُنیا کو جالیوں سے ہی دیکھا ہوتا ہے۔ جالیوں کی باہر کی فضا سے باہر سے مانوس نہیں ہوتیں۔ ان مرغیوں میں ایک عقل مند مرغی ہوتی ہے جو آزادی کے گہرے خواب دیکھتے ہوئے کہتی ہے جو جتنا جلدی پل کر بڑا ہو جائے گا وہ اتنا ہی جلدی باہر نکلے گا۔ باہر نکلنے کی خواہش میں وہ خوب کھاتی ہیں اور اپنا وزن بڑھا لیتی ہیں۔ لیکن ان کی آزادی کا مطلب ہے ایک قید سے دوسری قید اور پھر کسی آہنی شکنجے میں پہنچ کر کسی چھری کے نیچے ہلاک ہو جانا اور قربان ہو جانا۔ وہ آزادی دکھانے والی عقل مند مرغی ہو یا کوئی دوسری مرغیاں سب نے باری باری یوں ہی تڑپ کر جان دینا ہوتی ہے یہی آزادی ہوتی ہے۔

اس آزادی کو اپنی زندگی کے ساتھ جوڑ کر دیکھیں تو یہ ایک مکمل علامت بن جاتی ہے۔ جس طرح کہ "برف" افسانے میں کہانی کا عنوان ایک علامت کے طور پر آیا ہے جو جرنل کے احساسات و جذبات کے لیے ہمدردی کے طور پر سرد مہری والے رویے کی علامت بن جاتا ہے۔

علامت کے بارے میں نیلوفر اقبال کا بہت واضح موقف ہے۔ علامت کے حوالے سے محمد حمید شاہد نے ان کی تیسری کتاب سیاہ سونا کے "دیباچے" میں ان کے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ایک بار کسی نے نیلوفر اقبال سے پوچھا تھا کہ جب علامتی افسانوں کا سیلاب آیا تھا تب بھی آپ کو خواہش نہیں ہوئی تھی کہ تجربے کے لیے علامتی، تجریدی افسانہ لکھیں؟ تو نیلوفر کا جواب تھا علامتی افسانہ بیانیے افسانے کی نسبت کم فن کاری کا مطالبہ کرتا ہے جس میں کئی پرتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن علامت کو غیر محسوس طریقے سے آنا چاہیے۔ اور اس پر اضافہ کیا تھا علامت اظہار کو سہل بنانے کا ذریعہ ہی تو ہے۔ جو سمجھا وہ اس سے الٹ جاتا ہے پھر اپنے کچھ افسانے گنوائے جو بیانیہ کی روایت کی پابندی کرتے ہوئے بھی علامت ہو جاتے تھے۔"(10)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے دو افسانے خاص طور پر نا محسوس طریقے سے علامتی معنویت بن جاتے ہیں ایک افسانہ ان کا پہلے افسانوی مجموعے گھنٹی میں "برف" کے عنوان سے ہے اور ان کا دوسرا افسانہ دوسرے افسانوی مجموعے میں "آزادی" کے نام سے ہے۔

"اپریشن مائیس"، "سرخ دھبے"، "سفید للیز"، "غبار" یہ چاروں افسانے کتاب کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ ان چاروں افسانوں کی کہانی کا آپس میں گہرا ربط ہے اور اگر انھیں اکھٹا کر دیا جائے تو ایک ہی کہانی بن جاتی ہے۔ ان چاروں افسانوں کی کہانی میں اتنا عمدہ ربط ہے کہ یہ کسی ناول کا ٹکڑا لگتے ہیں۔

ان چاروں افسانوں کے بارے میں ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "ان کے دوسرے مجموعے کے آخر میں چار افسانے ایسے ہیں جن میں عراق اور دیگر مسلمان ملکوں کی آبادی میں امریکہ کے کردار پر تبصرہ کیا گیا ہے جو نیلوفر اقبال کے محتاط رویے سے مطابقت نہیں رکھتے۔"(11)

یہاں ہم ڈاکٹر انوار احمد کی رائے سے اختلاف کی جسارت کریں گے کیوں کہ انھوں نے یہ چاروں افسانے جس طریقے سے لکھے ہیں اور یہ افسانے لکھتے وقت ان کے پیشِ نظر ساری عالمی سیاست تھی اور یوں لگتا ہے کہ وہ ہر اس حربے کو دیکھ رہی ہیں جو طاغوتی طاقتیں تیسری دُنیا کے ممالک اور خاص طور پر مسلمان ممالک کے اخلاف استعمال کرتی ہیں۔

ان کے چاروں افسانوں کو آباد کاری کی نئی شکل کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ان کے اسی سلسلے کے پہلے افسانے "اوپریشن مائیس" (Opration Mice) میں افسانہ ایک امریکی جنرل، جنرل مرسی اور اس کی بیوی مارتھا کے گرد ہی گھومتا ہے۔ جنرل مرسی اپنی کتیا کی وجہ سے بہت پریشان ہے کیوں کہ اس دن جب کہ عراق پر اور افغانستان پر جنگ کے حوالے سے ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی تھی ٹھیک اسی دن اسی کتیا پلیئر ڈ کو دن دس بجے زہر کا ٹیکا لگا کر مار دینے کا حکم تھا جنرل صاحب کی طرف سے انسانیت سے بڑھ کر اور کیا غلیظ مذاق ہو سکتا تھا کہ ایک طرف کتیا مرنے پہ جنرل کی بیوی اسے کسٹرڈ یارٹ کا لقب دے دوسری طرف وہ خالصتاً اس امریکی سوچ کی نمائندگی کرے جو تیسری دُنیا کے انسانوں کو کتیا سے ذلیل موت ملے۔ جنرل اور اس کی بیوی کے درمیان ہونے والا مکالمہ دراصل امریکی سازش اور تیسری دُنیا کے وسائل کی وجہ سے ان پر جنگ مسلط کر کے راز کے انکشاف کا ذریعہ بنتا ہے۔ جنرل کی بیوی مارتھا جب اس سے چند سوالات کرتی ہے اور اپنا نقطہ بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ جنگ بہر حال کسی سلسلے کا حل نہیں انسان مارے جائیں گے تو جنرل اپنے جواب سے اپنی بیوی کو اپنا ہمنوا بنا لیتا ہے وہ امریکی فوج کے ایک جنرل کی نفسیات نہیں بلکہ پورے امریکہ کی پلاننگ کی عکاسی ہے۔ امریکا نے دُنیا کے لیے سوچ رکھی ہوتی ہے ایک موقع پر جنرل مرسی ان چوہوں کے بارے میں اپنی سے کہتا ہے:

> "ان کا ایک کام صرف بریڈ (Bread) کرنا ہے۔ ان کو تو اپنے بچوں کی صحیح تعداد کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ ان کا ایک ہی کام ہے۔
>
> Fomicate and Bread, Bread and Fomicate.
>
> جنرل کی نیلی برف کی گولیوں جیسی آنکھوں میں اتنی حقارت تھی کہ "مارتھا" کا منہ حیرت سے کھل گیا ..... اور اس کا دل اس نامعلوم عرب کے خلاف نفرت اور غصے سے بھر گیا۔ جو چپکے سے اچانک اپنے بل سے نکلتا ہے اور ان کے ورلڈ ٹریڈ کو تباہ کر دیتا ہے۔
>
> ان کی بریڈنگ روکنی ہو گی..... ہر صورت، وہ خوب بڑبڑائی جنرل نے ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھا۔"(12)

پھر ایک موقع پر جنرل مرسی اپنے ارادے اور اہداف کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتا ہے:

> "ہماری نگاہ وہاں ہوتی ہے جہاں ہمیں فائدہ پہنچتا ہے ہو سکتا ہے ہم اس جنگ سے جو حاصل کریں۔ وہ دو ایک عمارتوں کے تباہ ہونے کے نقصان سے کئی سو گنا زیادہ اور دور رس ہو، ہماری آئندہ کی سو سالہ پلاننگ کا اہم حصہ۔"(13)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اسی سلسلے کے دو افسانے سرخ دھبے میں عراق امریکہ جنگ کے بعد کا منظر نامہ دکھایا گیا ہے۔ آغاز میں ہی دو نوجوان جو کہ امریکی فوجی ہیں وہ دکھائے گئے ہیں:

> "ٹونی اور جیمز صدام حسین کے گرائے ہوئے مجسمے کے تھڑے پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ٹونی چیونگ چباتے چباتے کوئی دھن گنگنا رہا تھا اور ساتھ ساتھ ردھم (Rytham) کے لیے تھڑے کے دیوار کے ساتھ اپنے بوٹوں کی ایڑیاں مار رہا تھا۔"(14)

پچھلے افسانے میں جہاں جنرل مرسی اور اس کی بیوی مارتھا کی گفتگو کے ذریعے مصنفہ نے بہت سارے راز اگلوائے تھے۔اس افسانے میں ٹونی اور جیمز کے ذریعے مصنفہ نے امریکی اداروں اور امریکی فوج کی سوچ پر روشنی ڈالی ہے۔امریکہ کی سوچ بھی ایک مردار نو آباد کار جیسی ہے۔یہی سوچ برطانوی آبادکاروں کی تھی۔دراصل یہ لوگ تیسری دُنیا کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے مختلف بہانے بناتے ہیں اور ان ملکوں میں جنگ شروع کر کے وسائل پر قبضہ جما لیتے ہیں اور ان کے نام پر تھوڑی بہت مالی مدد کر کے مقامی لوگوں کو ہمدری حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی اپنی پسند کی حکومت بنے ان کے اشاروں پر ناچنے والے حکمران بنیں۔

اس افسانے " سرخ دھبے " میں بھی ٹونی کا کردار جنرل کی بیوی مارتھا سے مماثل ہے وہ بھی کسی حد تک جنگ کو ناجائز سمجھتا ہے اور مقامی لوگوں کے دلوں میں امریکی افواج کے لیے جو نفرت تھی اسے محسوس کرتا ہے۔ٹونی اس جنگ میں کام آجاتا ہے۔جیمز اس کی موت پر بہت دُکھ کا اظہار کرتا ہے۔

اس سلسلے کے تیسرے افسانے "سفید للیز" (White Lilies) میں منظر نامہ بالکل بدل جاتا ہے۔عراق یا افغانستان کی جگہ امریکا کی سرزمین کا منظر نامہ ہے۔ٹونی کے والد جارج اور اس کی ماں مسز انیلی ڈکسن اپنے بیٹے کے دُکھ میں نڈھال ہیں۔ان دونوں کرداروں کی گفتگو سے امریکا کے اندر ہوئی سیاسی حالات اور جنگ کے بارے میں عام لوگوں کی نفسیات کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

ٹونی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ان کو امریکی حکومت کی جانب سے پھولوں کا ایک گلدستہ اور ایک خط موصول ہوتا ہے جس میں ان کے بیٹے کی بہادری کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔الیکشن والے دن ٹونی کے والدین اپنے ملک کو عظیم دیکھنے کی غرض سے اسی صدر کو ووٹ دیتے ہیں جس نے عراق اور افغانستان جنگ شروع کی ہوتی ہے۔حالاں کہ اپنے بیٹے کی وفات کے وقت وہ ان صدر سے شدید نفرت کرنے لگے تھے اور انھوں نے اس جنگ کو بھی بے معنی اور فضول قرار دیا تھا۔

اس ضمن میں چوتھے افسانے "غبار" میں کہانی تین کرداروں کے گرد گھومتی ہے جس میں مسز ایملی ڈکسن،ٹونی کی ماں، مسٹر جارج، ٹونی کا باپ اور ٹونی کی گرل فرینڈ کا کردار ہے۔اس حصے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس حصے میں صدر کے اس بیان کی بہت مذمت کی گئی ہے جس میں اس نے عراق کی جنگ امریکا کی غلطی قرار دیا۔وہ لوگ جن کے جوان بیٹے اس جنگ میں کام آئے ان کے لیے بیان ایٹم بم کے گرنے کے مترادف تھا۔

یہ خبر سن کر دونوں میاں بیوی کا ردِّ عمل کچھ یوں تھا:

> " انھوں نے کہا ہے عراق وار ہماری لفظی غلطی تھی۔اس کی وجہ ڈس انفرمیشن جو انھیں عراق میں (Weapons of mass destruction) کی موجودگی کے بارے میں دی گئی۔سی-آئی-آر اور دوسری ایجنسیوں نے انھیں جو انفرمیشن فراہم کی وہ پوری طرح سے درست نہیں تھی.....یہی وہ لمحہ تھا جب "ایملی" کے چاروں طرف ایک دھول سی اُڑنے لگی تھی۔پھر آہستہ آہستہ ایک سادہ غبار نے اسے گھیرے میں لے لیا۔"جارج" اپنی رو میں بولتا چلا گیا۔وہ جوش اور غصے میں بول رہا تھا۔
> یہ کس قسم کی بکواس ہے۔کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ۔عراق وار غلط تھی ؟ مس انفرمیشن یا ڈس انفرمیشن کا نتیجہ تھی۔عراق کے پاس WMD نہیں تھے؟"(15)

اس افسانے کا دوسرا اہم واقعہ ہے کیتھی کا ٹونی کے دیے ہوئے تمام تحائف ایملی ڈکسن کو واپس کرنا تھا اور اسے بتانا تھا کہ وہ کسی اور سے شادی کرنے والی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اس طرح مجموعی طور پر ان چاروں افسانوں میں ہم امریکہ کی جنگی پالیسیوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ کس طرح امریکہ اور اس جیسے دوسرے مغربی ممالک جھوٹا الزم لگا کر تیسری دُنیا کے ممالک پر جنگ مسلط کرتے ہیں۔ اس سے وہ ملک جس پر جنگ مسلط کی گئی ہوتی ہے اس کا جانی ومالی نقصان ہوتا ہے بلکہ خود امریکی عوام کیا سوچتی ہے اس بارے میں بھی نیلوفر اقبال نے بہت عمدگی سے تمام حقائق بیان کر دیئے ہیں۔ ان چاروں افسانوں سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ نیلوفر اقبال نہ صرف بین الاقوامی سیاست کا پورا ادراک رکھتی ہیں بلکہ وہ سیاسی اور عسکری واقعات کو فنی حوالے سے کام میں لانے کا بھی ہنر جانتی ہیں۔

جدیدیت کے ان رجحانات کے بارے میں احمد ندیم قاسمی کے ایک رائے نقل کر کے ہم اپنی بات ختم کرتے ہیں وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اگر نیا افسانہ زندگی کی نئی زینتوں کی جستجو کا نام ہے تو نیلوفر اقبال کے افسانے پڑھیے جن میں نئے دور کی نئی معنویتوں کو کامل بلاغت سے پیش کیا گیا ہے..... میں گھنٹی میں اس کے افسانوں کے دوسرے مجموعے کی بازگشت سن رہا ہوں یہ آواز یا بازگشت جو میرے کانوں میں پڑ رہی ہے۔ بتا رہی ہے کہ نیلوفر اقبال کے ہاتھوں اُردو افسانے کا مقدر ان شاللہ عنقریب مزید تابندہ ہونے والا ہے۔"(16)

ایک ادیب کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے اردگرد اپنے ملک میں ہونے والے واقعات پر نظر رکھے بلکہ بین الاقوامی معاملات پر بھی گہری نظر رکھنا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہوتا ہے۔ نیلوفر اقبال نے اپنے اردگرد اور بین الاقوامی معاملات پر گہری نظر رکھتی ہیں اور جدید عہد میں جس طرح غاصب قوتیں تیسری دُنیا کے ممالک کے وسائل پر قبضے کی غرض سے جنگ مسلط کرتی ہیں۔ ان کا بیان آپریشن مائیس، سرخ دھبے اور سفید ریز اور غبار جیسے افسانوں میں ذکر کیا ہے۔ ان افسانوں کو ہم تب تک نہیں سمجھ سکتے جب تک بین الاقوامی معاملات ہمارے ذہن میں نہ ہوں۔ اس دُنیا میں پیسے اور مادیت کی دوڑ نے جب سے تمام معاملات کو پیچھے چھوڑ دیا ہے تب سے اس دُنیا میں روپے پیسے کی دوڑ میں ہر جائز اور ناجائز طریقے کو برتا گیا ہے۔ خصوصاً امریکہ اس حوالے سے پیش پیش ہے۔ امریکہ تیسری دُنیا کے ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنے کے کے کبھی کوئی ڈھونگ رچاتا ہے تو کبھی کوئی ڈھونگ رچاتا ہے۔

عراق، افغانستان جیسے ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے کبھی وہ ان کے ایٹمی ہتھیاروں کا بہانہ بناتا ہے کبھی ان ممالک کو دہشت گرد قرار دیتا ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے جنگ مسلط کرتا ہے۔ گویا ایسا کرتے ہوئے وہ ایک گندے کپڑے کو گٹر کے پانی سے دھونے کی کوشش کرتا ہے۔ ہتھیاروں کو روکنے کے لیے وہ خود ہتھیاروں کو استعمال کرتا ہے۔

ان افسانوں کے بارے میں محمد حمید شاہد لکھتے ہیں:

> "تو یوں ہے کہ فرد سے لے کر بین الاقوامی سطح تک سب برابر سے ہی مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں کچھ زیادہ ہی برابر ہو گئے ہیں نیلوفر اقبال نے اس موضوع کو کچھ اور افسانوں میں منظر نامہ بدل کر کچھ نئے موضوعات سے بہم کر کے بھی برتا ہے مثلاً ان کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ہے سرخ دھبے۔ اس میں شامل نائن الیون کے پس منظر میں لکھے گئے چار افسانے دیکھیے جن میں جارح قوم کی حسیات کو جارحیت کا شکار ہونے والوں کی حسیات کو الگ کر کے دیکھا گیا ہے۔ اس لڑی کے افسانوں کے نام اوپریشن مائس، سرخ دھبے، سفید لیریز۔"(17)

نیلوفر اقبال کا دوسرا افسانوی مجموعہ سرخ دھبے افسانوی مجموعے گھنٹی کی پیروی کرتا نظر آتا ہے۔ اس افسانی مجموعے میں بھی حقیقت نگاری اور بین الاقوامی معاملات کو واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔

نیلوفر اقبال کا کمال یہ ہے کہ وہ ابلاغ کے تمام حربوں کو استعمال کرتی ہیں اور ابہام کی تمام اشکال سے دامن بچائے رکھتی ہیں۔ اگرچہ ان کے افسانوں میں کہیں کہیں علامت نگاری بھی نظر آتی ہے لیکن یہ علامت نگاری ابہام کی حدوں کو چھوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی۔ بعض افسانہ نگار علامت نگاری کی چاٹ میں کہانی پن اور ٹھوس کرداروں کو بھول جاتے ہیں۔ نیلوفر اقبال کے اس افسانے مجموعے میں کہانی پن بھی نظر آتا ہے اور کردار ٹھوس شکل میں ملتے ہیں۔

اس افسانوی مجموعے کے بارے میں احمد ندیم قاسمی مجموعی طور پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"ان افسانوں میں ایک فرد پورے ایک معاشرے کا اور پھر اس معاشرے کے پورے ایک طبقے کا نمائندہ بن جاتا ہے۔یہی روش اردو افسانے کے اس روشن ترین دور میں تیار کی گئی جس میں منٹو، کرشن چندر، بیدی، غلام عباس اور عصمت نے اُردو افسانے کو بام عروج پر پہنچایا۔نیلوفر انھی عظیم تخلیق کاروں کی وارث ہے۔"(18)

مجموعی طور دیکھا جائے تو اس دوسرے افسانوی مجموعے یعنی سرخ دھبے میں بھی انھوں نے حقیقت نگاری کی طرز عام پر زیادہ تر افسانے لکھے ہیں۔بلکہ بعض افسانے تو حقیقت نگاری سے آگے جا کر ترقی پسندی کی سرحدوں کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ان افسانوں میں "مساوات"، "بقا"، "دلیپ کمار" شامل ہیں۔

کرسٹل ہاؤس انسانی ناپائیداری کا المیہ بیان کرتا ہے اور ان افسانوں میں سب سے زیادہ افسانے جنھوں نے قارئین اور ناقدین کی توجہ اپنے طرف مبذول کی وہ بین الاقوامی سیاست پر لکھے جانے والے آخری چار افسانے ہیں جن میں "اپریشن مائیس"، "سفید للیز"، "سرخ دھبے" اور "غبار" شامل ہیں۔ان افسانوں میں ایک گہرا ربط ہے یوں لگتا ہے کہ ان کا پلاٹ ایک ہی ہے مگر کہانی اور کردار بدل گئے ہیں۔یہ افسانے واشنگٹن ڈی سی میں ہونے والی میٹنگ سے لے کر امریکی فوجیوں اور امریکہ کے ایک اقتصادی اور سیاسی حالات پر یہ ایک غیر جانب دارانہ تجزیئے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس افسانوی مجموعے میں ایک افسانہ ایسا ہے جس کو علامتی سطح پر لکھا گیا ہے اور وہ افسانہ آزادی ہے۔مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس افسانے میں بھی موضوعات کا بہت تنوع ہے اور موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ اُسلوب کی روانی نے نیلوفر اقبال کے فن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

حوالہ جات

1. نیلوفر اقبال،(دیباچہ)، سرخ دھبے، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2012ء، ص8
2. نیلوفر اقبال، سرخ دھبے، ص25
3. ایضاً، ص27
4. ایضاً، ص41
5. ایضاً، ص58
6. ایضاً
7. ایضاً
8. ایضاً، ص111
9. نیلوفر اقبال،(دیباچہ)، سرخ دھبے، ص8
10. محمد حمید شاہد،(دیباچہ)، سیاہ سونا، ص10
11. ڈاکٹر انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان: بیکن بکس، 2017ء، ص687
12. ایضاً، ص36 – 135
13. ایضاً، ص136
14. ایضاً، ص141
15. ایضاً، ص64 – 1 63
16. نیلوفر اقبال، سرخ دھبے(دیباچہ از احمد ندیم قاسمی)، ص8
17. نیلوفر اقبال، سیاہ سونا،(دیباچہ از محمد حمید شاہد)، ص7
18. احمد ندیم قاسمی،(دیباچہ)، سرخ دھبے، ص13 – 12